© rasailojaraid.com

اور ہندستان کے قیام کا جو چارٹر ہے یہ اس کا ایک حصہ ہے۔ ۱۹۴۹ء میں پہلے فسادات کے بعد لیاقت نہرو معاہدہ ہوا جس میں دونوں کے دستخطوں سے یہ اصول لکھا ہوا ہے کہ پاکستان کی حکومت بھارت کے مسلمانوں میں interested ہوگی اور بھارت کی حکومت پاکستان کے ہندوؤں میں۔

تقسیم سے قبل قائداعظم سے یہ بنیادی سوال پوچھا گیا کہ آپ کا بنیادی موقف یہ ہے کہ برعظیم میں مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوگا۔ لیکن پاکستان بن جائے گا تو پاکستان میں تو ہوگا، ہندستانی مسلمانوں کا کیا ہوگا؟

قائداعظم نے کہا کہ مسئلہ پورے برعظیم کے مسلمانوں کا ہے۔ یہ مسئلہ اس طریقے سے حل ہوگا کہ پاکستان نہ صرف ان لوگوں کو تحفظ دے گا جو وہاں ہوں گے بلکہ وہ برعظیم کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے ذریعہ بنے گا۔ یہ بات تقسیم کے منصوبے کا حصہ ہے۔ اور بھارت میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ ہوا تو ہم اپنا مداخلت کا حق (right of intervention) محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ مہذب دنیا کا ایک اصول ہے۔

پاکستان کا قیام اور آزادی ایک معاہدۂ عمرانی کی بنیاد پر عمل میں آئی ہے۔ تقسیم کی اسکیم کا ایک عمرانی پہلو ہے۔ دو قوموں کے درمیان باہمی تفہیم ہوئی ہے اور قائداعظم نے بھی یہی بات کی ہے۔ ہماری حکومت کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنا چاہیے!

مصر انقلاب کے دوراہے پر

جینوی عبدو°

شرق اوسط کے سیاسی و سماجی امور میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ پہلو خاصی توجہ کا مرکز ہے کہ: مصر میں اسلامی تحریک احیا اور اسلام کے حرکی تصور کا کیا مستقبل ہے؟ کیا واقعی مصر اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے؟ کیا مصر کا موجودہ سیکولر حکمران گروہ، مستقبل میں بھی اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھ سکے گا، یا سیکولر مصر آہستہ آہستہ اسلامی مصر کے راستے پر چل نکلے گا؟

میں نے دورانِ تعلیم مصر کی شہری اور دیہی آبادی کے ذوق، جذبات اور اُمنگوں کو جس قدر قریب سے دیکھا ہے، اس کے بعد میں برملا یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ: اسلامی تحریک احیا اور عسکریت پسند مسلمانوں کی جانب سے مصر میں ایک قابل ذکر چیلنج اُبھر رہا ہے۔ ایسا چیلنج جس سے شرق اوسط میں مغربی مفادات کو صدمہ

° لبنانی نژاد مسیحی ریسرچ اسکالر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنچنے کا پورا پورا امکان موجود ہے۔ مصر کے دیہات اور محلوں سے' اسکولوں اور بازاروں سے ایک ایسی اسلامی تحریک برگ و بار لاتی اور بڑی تیزی سے آگے بڑھتی دکھائی دے رہی ہے جس کی جڑیں عوامی سطح پر بآسانی محسوس کی جاسکتی ہیں۔

اس تحریک نے مصری معاشرے کے تمام عناصر کو مخاطب کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اسلامی تحریکِ احیا کے حامی مصری مسلمان' کسی تشدد اور توڑ پھوڑ پر مبنی تحریک کے بغیر ہی' سیکولر مصر کی قیادت کا تختہ اُلٹنے اور اسلامی سماجی تصورات کے مطابق ایک اسلامی مصر کا پیکر ڈھالنے کا عزم رکھتے ہیں۔

مصر میں موجودہ اسلامی پیش رفت دراصل تین طاقت در لہروں کا ثمر ہے۔ پہلی لہر ۱۹ ویں صدی میں جمال الدین افغانی اور مفتی عبدہ کے افکار کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ دوسری لہر اخوان المسلمون کی جانب سے مصری روایات میں اسلامی افکار و عمل کی آبیاری سے تعلق رکھتی ہے۔ تیسری لہر اگرچہ تشکیلی دور سے گزر رہی ہے' تاہم اس میں اسلامی احیا کے تین فعال گروہوں کی فعالیت دیکھنے میں آتی ہے۔ ان گروہوں میں پہلا گروہ اپنی اعتدال پسندی اور میانہ روی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے' جو اخوان المسلمون کی دوسری نسل پر مشتمل ہے' اور اس گروہ کی جڑیں خاصی گہری ہیں۔ دوسرے گروپ میں علماے کرام کے مختلف عناصر سرگرم ہیں' جب کہ تیسرے گروپ میں جماعۃ الاسلامیہ اور جہاد کے عسکریت پسند شامل ہیں۔

مصری طلبہ کی فعالیت (activism) نے' مصر کی جدید تاریخ بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۵۲ء سے جون ۱۹۶۷ء تک کا واحد زمانہ ہے' جب طلبہ نے مرکزی حکومت کی تائید و حمایت کی۔ صدر جمال کی موت [م: ۱۹۷۰ء] کے بعد' نئے صدر انور السادات نے جس کے تحت ۱۹۷۱ء میں وہ پالیسی اختیار کی گئی جس کے تحت اخوان المسلمون کے اسلام دوست کارکنوں کی رفتہ رفتہ رہائی عمل میں لائی جانے لگی۔ ان لوگوں میں اخوان کے وہ قیدی بھی شامل تھے' جنھیں گذشتہ سات سے ۱۵ برس کے دوران سخت قید تنہائی میں رکھا اور بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان اسلامی عناصر کی رہائی سے یونی ورسٹی کی سطح پر کمیونسٹوں اور الحاد پسند عرب قوم پرستوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیوں کہ جب اخوان کے کارکنوں نے دہشت اور پکڑ دھکڑ کی فضا سے نجات پائی تو انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے جدید اداروں میں' اسلام کو بحیثیت ضابطۂ حیات پیش کرنے میں بڑی سرگرمی سے کام لیا۔ ان کی یہ کوششیں الحاد و دہریت اور اشتراکیت کے لیے چیلنج بن کر اُبھریں۔ پھر اخوان کی دعوتی کاوشوں سے پاپ موسیقی' جنسی بے راہ روی' عورتوں میں مغرب پسندانہ آزاد روی اور معاشرے میں مغربی کلچر کے جملہ پہلوؤں کے نفوذ پر ایک کاری ضرب لگی۔

۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک کے زمانے میں مصری یونی ورسٹیوں میں طالب علموں کی تعداد ۲ لاکھ سے بڑھ کر ۵ لاکھ ہوگئی۔ دوسری جانب ان یونی ورسٹیوں اور اعلیٰ پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں کی اسٹوڈنٹس یونینوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عام انتخابات میں اخوان المسلمون کے حامی طلبہ کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہونا شروع ہوئیں۔ اس طرح عملاً طلبہ کی تنظیم اور قیادت پر اسلام دوست عناصر اپنی گرفت مضبوط بنانے میں سبقت لے گئے۔

اسی اثنا میں ''عصر حاضر میں اسلام اور معاشرتی زندگی'' جیسے موضوعات پر بڑے جان دار مباحث اُٹھے اور محاضرات منعقد ہوئے۔ اخوان المسلمون نے عورتوں کی سماجی حالت اور اسلام میں ان کے حقوق پر کھلے عام بحث میں حصہ لیا۔ انھوں نے کسی مداہنت یا پسپائی کا راستہ اختیار کرنے یا کسی ایک فقہی رائے پر جمے رہنے کے بجائے' مقامی رسم و رواج اور قرآن و سنت کے مطابق عورتوں کی حیثیت اور حقوق کو الگ الگ کر کے نمایاں کیا۔ جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ نچلے طبقوں کے علاوہ درمیانے اور اعلیٰ طبقے کی خواتین بھی' اسلامی تحریک کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوئیں۔ یاد رہے کہ مصر کی معاشی زندگی میں درمیانے اور اعلیٰ طبقے کی خواتین کا اہم کردار پایا جاتا ہے۔ جدیدیت اور اسلامیت کی اس کش مکش میں مصری خواتین کے ہاں حجاب اور نقاب کی قبولیت نے واضح طور پر پیش رفت کی۔ اس اعتبار سے پردے کی واپسی مصر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے پھیلاؤ کا ایک نمایاں پہلو بن کر اُبھرا' جس سے آیندہ کے رجحانات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

اگر یہ کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا کہ مصر میں' اسلامی انقلاب پُرامن اور خاموش ہے لیکن قدرے تیز رفتاری سے قدم بڑھا رہا ہے۔ اس انقلاب کے قدموں کی چاپ سنّی ہو تو مصر میں مختلف پیشہ ورانہ تنظیموں' سماجی انجمنوں' اور نچلی سطح پر بلدیاتی اداروں میں اسلام دوست لوگوں کی کامیابی یا ان کے اثر و رسوخ کو دیکھ لیا جائے۔ شادی بیاہ اور سماجی زندگی میں بھی یہ لوگ نمایاں طور پر اپنے اثرات کے ساتھ پیش قدمی کر چکے ہیں' جب کہ معاشرے میں ان کے لیے احترام اور پسندیدگی کو کھلے عام محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جامع الازہر کے علما کا احترام بھی وسعت پذیر ہے۔ مصر کی ۶۷ ہزار سے زائد مساجد بھی اسلامی تشخص کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ عوامی دباؤ کے نتیجے میں ۱۹۸۰ء کے دوران صدر انور سادات کی حکومت نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے یہ اصول تسلیم کر لیا تھا کہ ''اسلامی شریعت ریاستی قانون سازی کا ماخذ ہوگی''۔

اسی تناظر میں اکیسویں صدی کا مصر' اسلامی احیا کے دوراہے پر ہے' جہاں ایک جانب استعماری مزاج اور تعلقات کار رکھنے والی حکومتیں ہیں' تو دوسری جانب اسلامی احیا کے علم برداروں کی بڑھتی ہوئی وہ قوت ہے' جسے کچھ لوگ عسکریت پسند کہتے ہیں' اور کچھ انھیں روشن خیال اور وسیع المشرب اسلامی انقلابیوں کے نام سے پہچانتے ہیں۔ امریکہ اور مغرب کی جانب اٹھنے والی مخالفانہ لہر اور فلسطین میں اسرائیلی مظالم نے تبدیلی اور انقلاب کی اسلامی قوتوں کو مزید استحکام عطا کیا ہے۔ (No God But God: Egypt and The Triumph of Islam ناشر: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس' ۲۰۰۰ سے ماخوذ: سلیم منصور خالد)

© rasailojaraid.com